نیّر مسعود بحیثیت نقاد

(افسانے کی تلاش کے مسائل کی روشنی میں)

ڈاکٹر نور فاطمہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، مانولکھنؤ کیمپس لکھنؤ (یوپی)، موبائل: 7983395187

''افسانہ لکھنا ایک تخلیقی عمل ہے اور اس کی پرکھ کرنا یا اس کے فنی معاملات کی تلاش وجستجو ایک تنقیدی عمل'' اس فقرے سے نیر مسعود کے ادبی مزاج کی شناخت کی جاسکتی ہے۔ نیر مسعود محقق بھی تھے سوانح نگار بھی اور ادبی تاریخ نویس بھی۔ انہوں نے لکھنؤ کی تہذیب ومعاشرت کو ساری زندگی اپنا مرکزی موضوع بنائے رکھا۔ البتہ داستان پر تحقیقی کام اور عالمی فکشن کے بعض نمونوں کے اردو ترجمے کے بعد انہوں نے جب افسانے لکھنے شروع کئے تو ان کے اسلوب تحریر پر اسرار بیانیہ مواد یا موضوع کے برخلاف ہیئت اور زبان کی نیرنگی کے سبب وہ ایک بالکل منفرد اور مختلف افسانہ نگار کی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت اختیار کر گئے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ افسانہ نگاری نے ان کی غیر معمولی ادبی اور تحقیقی کاوشوں پر ایک پردہ سا ڈال دیا۔ ظاہر ہے ان کی شخصیت اور ادبی کارناموں پر لکھنے والوں کے ترجیحی رویے اور اپنے زمانے کے ادبی فیشن نے اس سلسلے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

افسانے کی تنقید کی بات کریں تو نیر مسعود کے افسانوی ادب کے نام پر لکھے گئے مضامین کی تعداد کافی کم ہے۔ غالباً اسی سبب فکشن کی تنقید کا نام آتے ہی نیر مسعود کا نام فوری طور پر ذہن میں نہیں آتا۔ یہ اندازہ لگانے کے دوران کہ نیر مسعود کی کتاب ''افسانے کی تلاش'' میں ان کا تنقیدی زاویۂ نظر کیا ہے اور اس کا اظہار ان کی تحریروں میں کس حد تک ہوا ہے؟ اس کتاب میں شامل بیشتر مضامین کو پڑھ کر اس سلسلے میں بہت امید افزا صورت حال سامنے نہیں آتی۔ کم از کم گم شدہ تحریروں، سرشار کی بعض تحریروں اور عزیز احمد کی افسانہ نگاری سے متعلق مضامین میں نیر مسعود کی علمی وتحقیقی تلاش وجستجو کا اظہار زیادہ ہوا ہے یعنی اس کا پس منظر نیر مسعود کی تنقیدی بصیرت سے تیار نہیں ہوا بلکہ ان مضامین کی تیاری میں ان کا تحقیقی مزاج زیادہ کارفرما نظر آتا ہے۔ یعنی ان کا رویہ ایک محقق کا ہے جبکہ بعض دوسرے مضامین میں بھی تحقیقی مزاج کی کارفرمائی تو ملتی ہے، مگر ان کے تنقیدی شعور اور بصیرت کو واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے، لیکن ان تحریروں کا ذکر قدرے بعد میں۔ دراصل ہوتا یہ ہے کہ جب کسی علمی وادبی شخصیت کو کسی خاص میدان میں امتیاز حاصل ہو جاتا ہے تو ہم اکثر ان کی نسبتاً کم درجے کی تحریروں میں بھی دوٹوک رائے دینے سے گریز کرنے لگتے ہیں۔ اسے ادبی رائے عامہ کی ہیبت کے علاوہ اور کوئی نام دینا مشکل ہے۔

جہاں تک سوال ''افسانے کی تلاش'' میں شامل نیر مسعود کی ان تحریروں کا ہے جس میں وہ افسانے کے ایک مبّاض نظر آتے ہیں اور افسانے کی شعریات کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں ان میں ضمیر الدین احمد کی افسانہ نگاری، علی عباس حسینی کا افسانہ میلہ گھومنی، یا عزیز احمد کے تاریخی افسانوں سے متعلق بعض نکات بہت اہم ہیں۔ یوں تو لکھنوی تہذیب کے پس منظر میں نیر مسعود نے جس طرح سرشار کی ناول نگاری کا تجزیہ کیا ہے اس میں بھی بعض نکات اہم اور منفرد ہیں۔ مثال کے طور پر انہوں نے سرشار کے حوالے سے کہانی کی زمانی اور بیانی ترتیب کا جس طرح ذکر کیا ہے یا اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ترتیب بدل کر کس طرح ناول نگار بیانیہ کی رفتار کو تیز کر دیتا ہے اور ڈرامائی عنصر کا بھی اضافہ کر دیتا ہے، مگر اسی کے ساتھ جب اس اصول کا اطلاق سرشار کے زیر بحث ناول ''پی کہاں'' پر کرتے ہیں تو انہیں مایوسی ہوتی ہے اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

> ''پی کہاں کے پلاٹ میں دلچسپی اور تجسس کے کوئی خاص عناصر نہیں ہیں یہ ایک عام روایتی عشق کی کہانی ہے جس میں بچپن کا لگاؤ عشق میں تبدیل ہوتا ہے اور مفارقت کا صدمہ موت کا باعث بنتا ہے.... پی کہاں میں متفرق طور پر ایک اچھے ناول کے بیشتر عناصر موجود ہیں، لیکن انہیں سلیقے سے ترکیب دے کر ایک سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔''

یہاں ذہن میں یہ سوال ابھرتا ہے کہ نیر مسعود صاحب سرشار کی اس طرح کی تحریروں کو ناول میں کیسے شمار کرتے ہیں۔ جب کہ ان میں شامل

مثالیت پسندی اور متعینہ مقاصد یا ثقافتی حد بندیوں کی شدت کی بنیاد پر انہیں داستان اور ناول کے درمیان کی کوئی صنف تو ضرور قرار دیا جا سکتا ہے، مگر انہیں ناول کہنا مشکل ہے اور اگر کہنا ہی ہے تو ہمیں ناول کی شعریات کے پیمانے پر انھیں پرکھنے کی ضرورت ہے۔ وہیں دوسری طرف میلہ گھومنی کے سلسلے میں نیر مسعود کا مضمون بہت غیر معمولی ہے۔ بیانیہ کے عمل میں جس طرح انھوں نے افسانہ نگار کی مداخلت کا ذکر کیا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے ہی افسانوں کی طرح دوسرے بڑے فنکاروں کی تحریروں میں بھی خود کار بیانیہ کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اور راوی یا واحد متکلم کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے۔ اس ضمن میں افسانے سے کچھ ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نیر مسعود افسانے کی تمام جزئیات پر کیسی گہری نظر رکھتے ہیں۔ جب افسانے کے اختتام پر مرنے سے پہلے چنو اس سے کہتا ہے:

''اب میر بعد تم کو کون خوش رکھے گا''

یا

''چنو کی فاتحہ کے تیسرے دن اس کی خوش نہ ہونے والی بیوہ گاؤں کے ایک جوان کسان کے ساتھ کمبھ کا میلہ گھومنے الہٰ آباد چلی گئی۔''

ان جملوں سے متعلق نیر مسعود اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

''اس طرح ''خوش نہ ہونے والی'' کا فقرہ لکھ کر غیر ضروری طور پر اس کی وضاحت کر دیتے ہیں کہ میلہ گھومنی جنسی نا آسودگی برداشت نہیں کر سکتی، جبکہ یہ بات افسانے کے واقعات سے خود بخود ظاہر ہو رہی ہے۔''

یا ایک اور جگہ میلہ گھومنی کی بے راہ روی کے اظہار میں حسینی کے طنزیہ جملے دیکھئے:

''عیادت کے بہانے یاروں کی نشستیں ہونے لگیں اور منو بہو نے نینوں کے بان چلانا شروع کر دیے۔''

''بی جو لاہن کو چار چھوٹے چھوٹے پوتے پوتیوں کو سنبھالنا پڑا اور منو کی بیوہ کو عدت کے احکام بھول جانے کے مواقع ملنے لگے۔''

افسانے میں اس طرح کے غیر ضروری جملوں سے متعلق نیر مسعود نے اپنی رائے دوٹوک انداز میں پیش کی ہے:

''یہ لہجہ ایسے غیر سنجیدہ رویے کا تاثر دیتا ہے جس کا اس افسانے میں کوئی جواز موجود نہیں ہے اور یہ لہجہ افسانے کے حق میں مضر ثابت ہوا ہے۔''

دراصل نیر مسعود خود افسانہ نگار ہیں اس لئے افسانے میں وہ ذرا سی لغزش برداشت نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں آصف فرخی کی یہ رائے قابل قبول معلوم ہوتی ہے:

''نیر مسعود کہانی کے بہاؤ اور اپنے فطری تقاضے اور افسانہ نگار کے منشا کے درمیان تفاوت کو گرفت میں لے آتے ہیں۔ یوں بیانیہ ترکیب کا ذکر انہیں افسانے کی Critique کی طرف لے جاتا ہے۔''

جہاں تک سوال ضمیر الدین احمد کی افسانہ نگاری کا ہے تو اس سلسلے میں یہ ضرور عرض کیا جا سکتا ہے کہ بہ حیثیت ایک افسانہ نگار کے ضمیر الدین احمد کی بازیافت کا سہرا سب سے پہلے وارث علوی کے سر ہے ان کے بعد کے نقادوں میں سوائے نیر مسعود اور فضیل جعفری کے کسی اور کا نام لینا مشکل ہے۔ ضمیر الدین احمد نے کئی دہائی پہلے پاکستانی رسائل ادب لطیف اور سویرا وغیرہ میں افسانے شائع کروا کے اپنی اہمیت منوائی تھی، مگر عرصے تک یورپ میں قیام اور برصغیر کے رسالوں سے غائب رہنے کے سبب انھیں لوگ بھول سے گئے تھے۔ درمیان میں ان کا بہت مشہور اور غیر معمولی افسانہ ''پروائی'' جب چھپا تو لوگوں نے انھیں بہت اہمیت دی اور کچھ دنوں کے بعد رسالہ سوغات میں ان پر ایک گوشہ شائع کر کے صحیح معنوں میں ہمارے ادبی حافظے کا حصہ بنا دیا۔ نیر مسعود نے ان کی زبان اور انداز بیان، مکالمہ نگاری اور جزئیات نگاری پر بہت اچھے تبصرے کئے ہیں۔ مثال کے طور پر نیر مسعود کے ذیل میں چند جملے نقل کئے گئے ہیں:

''ضمیر الدین احمد کی سب سے بڑی جیت ان کی زبان ہے جس کی مثال انتظار حسین کے سوا شاید ہی کسی اور کے یہاں ملتی ہو۔''

''زبان پر افسانہ نگار کے تسلط کا سب سے بڑا امتحان مکالموں میں ہوتا ہے اور ضمیر الدین کا شمار اردو کے بہترین مکالمہ لکھنے والوں میں کیا جانا چاہیے۔''

''ضمیر الدین اپنے اصل افسانے کو کبھی کبھی معمولی جزئیات میں چھپا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ایک ایک افسانہ کئی کئی افسانوں میں بدل جاتا ہے۔''

مگر جو چیز ضمیر الدین احمد کو اپنے تمام معاصرین میں ممتاز بناتی ہے

وہ ان کی نفسیاتی حقیقت نگاری یا پھر جزئیات تک کو سامنے لانے کی صلاحیت ہے مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ جزئیات پر تو نیر مسعود نے کئی جگہ گفتگو کرتے ہوئے اہم نکات پیش کیے ہیں، مگر ضمیر الدین کے افسانوں میں نفسیاتی حقیقت نگاری کی کوئی نشاندہی نہیں کی ہے۔

اس کے علاوہ عزیز احمد کے دو تاریخی افسانوں ''خدنگ جستہ'' اور ''جب آنکھیں آہن پوش ہوئیں'' کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ دونوں افسانے تیمور کے تاریخی واقعات پر مبنی ہیں۔ نیر مسعود نے ان افسانوں کا سب سے بڑا ماخذ ہیرلڈ لیمب کی کتاب Tamerlane the Earth Shaker کو بتایا ہے۔ نیر مسعود کا خیال ہے کہ عزیز احمد لیمب کی تحریروں سے بخوبی واقف ہیں۔ لیمب سے استفادے کی کچھ مثالیں دینے کے بعد نیر مسعود کا کہنا ہے:

> ''یہ استفادہ تاریخی حقائق کے اخذ کرنے تک محدود نہیں رہا بلکہ کچھ بڑھ کر لیمب کے بیانیے کے تخیلی اور افسانوی عناصر تک پہنچ گیا ہے اور اس نوع کے استفادے کی مثالیں دونوں افسانوں میں متعدد جگہوں پر ملتی ہیں، اتنی کہ کوئی سنسنی نقاد فقط ان مثالوں کو جمع کر کے اور ان کے مقابل لیمب کی عبارتیں دے کر یہ تاثر پیدا کر سکتا ہے کہ یہ افسانے عزیز احمد سے زیادہ لیمب کی تصنیف ہیں۔''

اس کے باوجود نیر مسعود نے غیر جانبداری سے عزیز احمد کے افسانوں کا مطالعہ کیا اور عزیز احمد کے افسانوں میں تحریر کی پختگی، خیال اور بیان کی ہم آہنگی کی داد دی ہے۔ اس کے علاوہ نیر مسعود کی تنقیدی دلچسپی کا اظہار اکثر و بیشتر اردو ناول کے کلاسیکی دور اور اس سے دلچسپی سے ہوتا رہا ہے۔ اس بات کا اندازہ ''چند گم شدہ تحریریں'' پڑھ کر بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہ ان تحریروں کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ایسی تحریروں کی بازیافت ہم کو نہ صرف اپنے ادبی ورثے کی اہمیت اور تنوع کا احساس دلا سکتی ہے، بلکہ یہ تحریریں ہمارے لیے اردو نثر کے قابل تقلید نمونوں کا کام بھی کر سکتی ہیں۔''

نیر مسعود نے پانچ ایسی تحریریں پیش کی ہیں جن میں بیانیے کی قوت اور زبان و بیان کی پختگی کا انداز پایا جاتا ہے۔ اس سے پہلے آصف فرخی نے اس ناول (افسانہ نادر جہاں) کا اپنے مضمون ''حیرتی ہے یہ آئینہ'' میں تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ یہاں اس بات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر نیر مسعود ان تحریروں سے متعلق اپنے سوچے سمجھے تنقیدی تصورات کو بھی سامنے لاتے تو ان تحریروں کا سیاق و سباق زیادہ روشن ہو جاتا۔ اس کتاب میں نیر مسعود نے رفیق حسین کی کہانیوں کی اہمیت اور تاریخی پس منظر پر اپنے دو مضامین میں روشنی ڈالی ہے۔ جیسا کہ ہم سب کو معلوم ہے کہ رفیق حسین کے افسانے بنیادی طور پر جنگلی جانوروں اور بعض حیوانات پر مبنی ہیں۔ بعض نقاد اس کا سلسلہ سنسکرت کی بے حد قدیم کہانیاں پنچ تنتر کی کہانیوں سے جوڑ کر دیکھتے ہیں۔ جبکہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ پنچ تنتر میں جو بھی چرند پرند اور جانوروں کی کہانیاں ہیں ان سب کی اخلاقی و سماجی معنویت بہت نمایاں ہے۔ شاید اسی لئے قرۃ العین حیدر نے سید محمد اشرف کے ایک ناول ''نمبر دار کا نیلا'' پر ایک نوٹ لکھا تھا اور اسی نوعیت کے باعث یہ کہا تھا کہ یہ ایک نئی طرح کی پنچ تنتر لکھنے کے مترادف ہے۔ یہ بات پوری طرح رفیق حسین کی کہانیوں پر تو صادق نہیں آتی اور نہ ہی نیر مسعود نے اپنے مضامین میں ان کی کہانیوں میں اس طرح کی معنویت تلاش کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن یہ بات بہت اہم ہے کہ رفیق حسین کی جانوروں سے متعلق کہانیوں کی سماجی و اخلاقی اہمیت (اگر ان میں کچھ ہے تو) نیر مسعود سے زیادہ کوئی اور واضح نہیں کر سکتا تھا۔ رفیق حسین کے مجموعے ''آئینہ حیرت'' کے افسانوں سے متعلق نیر مسعود نے دو ٹوک انداز میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''جانور شناسی کے نقطۂ نظر سے رفیق حسین کو پرکھنا ان کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ یہ خیال کرنا بھی مناسب نہ ہوگا کہ ان کا بنیادی موضوع جانور اور انسان کا موازنہ ہے اور یہ خیال کرنا اور بھی نامناسب ہوگا کہ وہ جانور کو انسان پر فوقیت دیتے ہے۔ جانور اور انسان کا اس قسم کا تقابل ان کا مقصود نہیں معلوم ہوتا، البتہ ان کے یہاں یہ دونوں فطری (جبلی) اور ساختہ (عقلی) مظاہر کی نمائندگی کرتے ہیں''

نیر مسعود نے جانوروں کے برتاؤ، رویے اور انسانوں کی مختلف عادات و اطوار کو رفیق حسین کے حوالے سے بہت سلیقے سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اس بات سے انکار ممکن ہی نہیں کہ نیر مسعود کی ان تحریروں کے بعد رفیق حسین کی کہانیوں سے عام قاری کی دلچسپی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ یہ بھی ادبی تفہیم و تعبیر کی ایک نئی جہت ہے جس کی اہمیت کو ہمیں تسلیم کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ کتاب میں ''افسانے کی تلاش'' جو ایک سوال نامے کے جواب پر مشتمل ہے، ''تخلیقی عمل''، ''تقسیم اور اردو افسانہ'' آزادی کے بعد اردو افسانہ: رجحانات و مسائل'' اور ''اردو افسانے کا نیا منظر نامہ'' جیسے مضامین، افسانے سے ان کی دلچسپی کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ تمام مقالے محض

سرسری طور پر تحریر نہیں کئے گئے بلکہ افسانے کے مسائل و مباحث پر بہت غور و خوض کرنے کے بعد ہی اپنے تنقیدی نظریات کو نپے تلے اور مدلل انداز میں وہ قارئین کے سامنے پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مضامین سنجیدہ قاری کو صحیح رائے تک پہنچنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند اور فسادات سے متعلق افسانوں کے موضوعات پر اپنے مضمون ''تقسیم اور اردو افسانہ'' میں بحث کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں:

''تقسیم سے وابستہ مسائل، تجربات اور ردعمل بہت طرح کے تھے اور ان کے تحت آنے والے موضوع اعلیٰ درجے کے رنگا رنگ افسانوں کے لیے بہت موزوں تھے، لیکن تقسیم سے وابستہ ہولناک فرقہ وارانہ فسادات اور افسانہ قریب قریب ہم معنی الفاظ بن کر رہ گئے۔ جس طرح فسادات نے بہت سی انسانی زندگیوں کو ختم کیا اسی طرح فساداتی افسانوں نے تقسیم کے بہت سے رنگوں کو مار دیا۔''

ظاہر ہے تقسیم ہند کے حوالے سے لکھے گئے افسانوی ادب پر وہ جس طرح اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اس سے واضح طور پر یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نیر مسعود کے یہاں افسانے کی تفہیم سے متعلق کسی قسم کی پیچیدگی نہیں پائی جاتی۔ وہ جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اور کم سے کم لفظوں میں اپنی بات کہنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔

ان تمام معروضات کے بعد یہ کہنے میں کوئی تکلف نہیں کہ اس کتاب کے مضامین میں نیر مسعود کا انداز کسی سکّہ بند نقاد کا نہیں ہے بلکہ فکشن کے رمز شناس اور افسانہ نگار کا ہے۔ وہ اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ کسی ادبی گروہ میں ان موضوعات سے متعلق کیا رائے بنی ہوئی ہے اور نہ مرعوب کرنے کے لئے مغربی نظریات کا سہارا لیتے ہیں۔ بلکہ متن سے زیادہ سروکار رکھتے ہیں اور تہذیبی و ثقافتی عناصر کی نشاندہی کے ساتھ اپنے تحقیقی مزاج کو ہمیشہ کارفرما رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے بہ حیثیت نقاد کے تمام حد بندیوں کے باوجود یہ نیر مسعود کی ایک ایسی خوبی بن جاتی ہے جو انہیں اپنے معاصرین میں مختلف و ممتاز بنائے رکھے گی۔

◆◆◆

قلعۂ معلّٰی کی جھلکیاں

اس کتاب میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے زمانے کے لال قلعے کے رسم و رواج و روز و شب کے معمولات اور مغل دور کے آداب کا ذکر بڑے دل پذیر انداز میں کیا گیا ہے۔

مصنف: عرش تیموری، مرتب: ڈاکٹر اسلم پرویز، صفحات: ۲۷۲ (چوتھا ایڈیشن) قیمت: ۲۵ روپے

رسومِ دہلی

مولوی سیّد احمد دہلوی ''فرہنگ آصفیہ'' کے مرتب کی حیثیت سے آج تک یاد کیے جاتے ہیں۔ انہی مولوی سیّد احمد دہلوی کی ایک اور اہم تصنیف ''رسومِ دہلی'' ہے جس میں لال قلعہ کی زندگی اور ۱۹ ویں صدی کی دوسری دہائی تک دہلی میں رائج تمام رسوم کا تفصیلی بیان ہے۔ اس موضوع پر یہ واحد کتاب ہے۔

مرتب: ڈاکٹر خلیق انجم، صفحات: ۲۰۸، قیمت: ۴۰ روپے (دوسرا ایڈیشن)

ناشر: اردو اکادمی، دہلی